© rasailojaraid.com

ڈاکٹر شیخ محمد اکرم

سیرۃ النبیؐ

علامہ شبلی کا اہم ترین علمی کارنامہ

مندرجۂ ذیل مقالہ جناب شیخ محمد اکرام صاحب کی تازہ تصنیف "یادگارِ شبلی" کا ایک باب ہے۔

علامہ شبلی کی آخری تالیف، جس کی تیاری کے لیے موضوع کی عظمت و اہمیت کے اقتضا سے انھیں سب سے زیادہ اہتمام مطلوب تھا لیکن جسے وہ اپنی بے وقت وفات کی وجہ سے ختم نہ کر سکے" سیرۃ النبیؐ تھی۔ وہ اپنے ارادوں کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ بلکہ پہلی دو جلدوں کے متعلق بھی جو اُن کے قلم سے ہیں، مگر اُن کی وفات کے کئی سال بعد شائع ہوئیں، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ من و عن اسی صورت میں ہیں جس میں وہ بشرطِ حیات انھیں خود پیش کرتے لیکن اس حالت میں بھی یہ دو جلدیں اُردو ادب کا بیش بہا زیور ہیں۔ واقعات کی تحقیق و تدقیق کے نقطہ نظر سے کٹھن اور مشکل معاملات میں صحیح اور صائب نقطہ نظر کے اعتبار سے اور عبارت کی پختگی و دلآویزی کے لحاظ سے جس نے موٹی موٹی کتابوں کی بھاری سِلوں میں سے آبِ شیریں و سبک کے چشمے جاری کیے ہیں۔

سیرۃ النبیؐ کی اہمیت موضوع کی عظمت اور مصنف کی علمیت، محنت، کمال انشا پردازی کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ اس وجہ سے بھی ہے کہ یہ کتاب ہمارے سب سے بڑے عالم ادیب کی پختگیِ عمر، فکر و طبیعت کا شاہکار ہے۔ اس میں الفاروق کی طرح خون کو گرما دینے والی فتوحات کا تذکرہ نہیں، اور نہ ہی نظم و نسق اور ملکی انتظامات کا وہ دل فریب اور تفصیلی نقشہ ہے، جس کی چکاچوند سے شبلی عہدِ حاضر کی روشنی پھیکی کرنی چاہتے تھے۔ سیرۃ النبیؐ میں الفاروق کی عام پسند چیزیں تھوڑی ہیں۔ یہ خاصہ کی چیز ہے اور اہلِ نظر کے نزدیک ناتمام حالت میں بھی (آخر دو جلدوں میں سارے سوانحی حالات اور اسوۂ حسنہ کا ذکر مکمل طور پر آ گیا ہے) شبلی کا سب سے اہم تصنیفی کارنامہ ہے۔ دوسری علمی و ادبی خوبیوں کے علاوہ اس کتاب کی قابلِ ذکر خصوصیت ایک نیا نقطہ نظر ہے جس میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نئی بالغ نظری، ایک نئی رواداری اور نئی بلند نگہی جھلکتی ہے۔ اس کی دلچسپ مثال سوانح نگاری کی نسبت ان کا بدلا ہوا زاویۂ نگاہ ہے۔ عام طور پر سیرت نگاری کی نسبت ان کے جو خیالات تھے ان کا اظہار انھوں نے کثرت سے کیا۔ یہ ایک علیحدہ مسئلہ ہے کہ اپنی لکھی ہوئی سوانح عمریوں میں وہ ان اصولوں پر پوری طرح عمل پیرا ہوئے یا نہیں، انھوں نے حیاتِ جاوید کی نسبت "مدلل مداحی" اور "کتاب المناقب" جیسے الفاظ استعمال کیے۔ اور جو لوگ ان کے نظریۂ سوانح نگاری سے اختلاف رکھتے تھے، انھیں "ایشیائی شخص پرستی" بلکہ "خیانت و خداعی" کے طعنے دیے۔ سیرۃ النبیؐ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اب ان کے زاویۂ نگاہ میں تبدیلی آ گئی تھی۔ اور انھیں محسوس ہو گیا تھا کہ صحیح سوانح نگاری کے لیے ضروری ہے کہ صاحب سوانح کے حالات "ہمدردی" سے پیش کیے جائیں۔ مثلاً بقول ڈاکٹر سید عبداللہ نبی کریمؐ کے یورپین سیرت نگاروں کی تصانیف دیکھنے کے بعد جو تاثر مولانا شبلی نے قائم کیا، وہ یہ تھا کہ "کوئی یورپین مؤرخ سیرت پر کتاب لکھ ہی نہیں سکتا کیونکہ اس باب میں جس غیر جانبداری، احتیاط، اصولِ حدیث سے واقفیت اور ہمدردی کی ضرورت ہے وہ کسی غیر مسلم کو میسر آ ہی نہیں سکتی۔"[۱]

گویا اب انھیں اس امر کا احساس ہو گیا تھا کہ صاحب سوانح سے "ہمدردی" بھی صحیح سیرت نگاری کا ایک جزوِ لاینفک ہے۔ اسی نقطۂ نظر کا اظہار اس زبانی ارشاد میں ہے جس کے راوی سید سلیمان ندوی ہیں۔ رسولِ اکرمؐ کی سیرت نگاری کی مشکلات بیان کرتے ہوئے علامہؒ نے سید صاحب سے فرمایا:۔

"سوانح عمری ایسی لکھنی چاہیے، جس سے صاحب سوانح کا پایہ اونچا نظر آئے لیکن ہم مسلمانوں کے دل میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت کا پایہ اتنا اونچا ہے کہ کوئی کتاب اس کی بلندی کو نہیں پہنچ سکتی۔ اس لیے سیرت کی کوئی کتاب مشکل ہی معیار پر پوری اتر سکتی ہے۔" (حیاتِ شبلی ص ۱۰۴)

اگر سید سلیمان کے حافظے نے خطا نہیں کی۔ اور انھوں نے مولانا شبلی سے جو الفاظ منسوب کیے ہیں، انہی کے ہیں۔ تو اس فقرے سے کہ "سوانح عمری ایسی لکھنی چاہیے جس سے صاحب سوانح کا پایہ اونچا

---

[۱] معارف نمبر ۴ جلد ۱۴ ص ۲۹۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظر آتے" اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سوانح نگاری کے متعلق مولانا کے نقطہ نظر میں کس قدر تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔

شبلی کی نئی روا داری بلکہ ان کے نقطۂ نظر میں نئے نکھار کا اندازہ سرسید اور سید امیر علی کی تحریروں کی نسبت ان کے نئے نقطۂ نظر سے ہوسکتا ہے۔ بقول مہدی گورکھپوری "علامہ شبلی کی افراطِ خودداری معاصرانہ کمالات کے اعتراف میں فیاض نہیں ہے"[۱] سرسید اور امیر علی کے مقابلے میں تو انھوں نے ایک نیا مکتبِ فکر قائم کیا تھا۔ سرسید کی سیاسی پالیسی کے خلاف وہ ابھی ابھی شوخ اور تند و تیز نظمیں لکھ کر فارغ ہوئے تھے۔ امیر علی کا استہزا ان کے کئی پرانے مقالات میں ہے لیکن اب ان کے خطوط میں جابجا ان دونوں کے متعلق تعریفی کلمات ہیں۔ اور ان کی تحریروں سے مستفید ہونے کے اشارات ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین ہے۔ مثلاً مولوی ابوظفر ندوی کو ازواجِ مطہرات کے متعلق لکھتے ہیں "اس بحث پر سرسید و مولوی امیر علی نے اچھا لکھا ہے۔ کم از کم مولوی امیر علی اور سرسید کی تصنیفات پڑھنی چاہییے"[۲]

یہی نہیں، بلکہ سرورِ کائنات کے ان تین خوش بخت غلاموں نے حضورؐ کی ذاتِ گرامی کے جو نقوش نمایاں کیے ہیں، ان میں اہلِ نظر نے اس طرح کی یک رنگی دیکھی ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ سیرۃ النبیؐ میں وہ عمل معراجِ کمال تک پہنچ گیا، جو سرسید نے ۱۸۶۹ء میں خطباتِ احمدیہ سے شروع کیا تھا اور جسے سید امیر علی نے کئی قدم آگے بڑھایا تھا، تو بے جا نہیں۔

---

[۱] افاداتِ مہدی ص ۳۴۳۔ اس کا کچھ اندازہ جنوری ۱۹۱۴ء کے ایک خط سے ہوگا، جو عبدالماجد صاحب کے نام لکھا گیا۔ انھوں نے مولانا شبلی کے کسی ارشاد کا مفہوم پورے طور پر نہ سمجھا۔ اور سپرٹ آف اسلام کے ایک باب کی تلخیص کر کے بھیجی۔ اس پر مولانا لکھتے ہیں "مولوی (کذا) امیر علی کا ترجمہ مقصود نہ تھا بلکہ ان کے ماخذوں سے لینا مقصود تھا۔ میں ان کا حوالہ نہیں دے سکتا ع آخری وقت میں کیا خاک مسلمان ہوں گے" (مکاتیب جلد اول ص ۲۹۶) یعنی سید امیر علی کا حوالہ دینا اپنے شکوہِ علمی کے خلاف سمجھتے تھے۔ لیکن اس کی محنت و تلاش سے فائدہ اٹھانے اور اس کی نشان دہی کے ذریعے اس کے ماخذوں سے مستفید ہونے سے انکار نہ تھا۔

[۲] مکاتیب شبلی حصہ دوم [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ صحیح ہے کہ سیرت النبیؐ کی اپنی عظمت اور اپنا مرتبہ ہے، علمی، ادبی اور فنی اعتبار سے شبلی کو سرسید پر فوقیت حاصل ہے لیکن عشقِ رسولؐ کے معاملے میں اس سیّد زادہ کا نام ہی پہلے آئے گا۔ جس نے اپنی تصنیفی زندگی کا آغاز تیئیس سال کی عمر میں، ایک مولود شریف سے کیا تھا اور سیرت النبیؐ کی تالیف سے چالیس بیتالیس سال پہلے، اپنے گھر کے برتن بیچنے پر آمادہ ہوگیا تھا تاکہ ان کی حاصل شدہ قیمت سے اپنے صوبے کے حاکم سر ولیم میور کا جواب چھپوانے کا انتظام ہو جائے۔ اس بارے میں شبلی کی جائز تعریف یہی ہے کہ انھیں سیّد احمد کے پہلو بہ پہلو بٹھا دیا جائے۔ چنانچہ ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں "سیرت النبی بنیادی طور پر ایک عاشقِ رسول کا والہانہ اظہار عقیدت ہے۔ اس میں عشق و محبت کا وہی رنگ ہے جو خطباتِ احمدیہ میں نظر آتا ہے[۱]"

جذبات و احساسات کی ہم آہنگی سے بھی زیادہ قابلِ ذکر اندازِ فکر کا اشتراک ہے۔ اس کے متعلق ڈاکٹر سیّد عبداللہ فرماتے ہیں "سیرت النبیؐ میں انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی کے مخصوص علمی نظریات اور افکار کا خاص اثر نمایاں ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقے کے بعض رجحانات بھی (جو سرسید کے زیر اثر ان کے زمانے میں کسی حد تک مسلّم و مقبول تھے) کتاب پر چھائے ہوئے ہیں۔ اسلامی لڑائیوں کا خصوصاً آنحضرتؐ کے غزوات کا مدافعانہ ہونا، یہ عقیدہ اس دور میں نہایت راسخ اور مستحکم تھا۔ شبلی نے بھی اسی کو اصول و اساس بنا کر یہ ثابت کیا ہے کہ آنحضرتؐ پیغمبر تھے، سپہ سالار نہ تھے[۲]" ممکن ہے سرسید کا یہ نظریہ کہ غزواتِ نبویؐ مدافعانہ تھے، جسے شبلی ہی نہیں، سیّد امیر علی نے بھی "اصول و اساس" بنایا اور آنحضرتؐ کی روحانی خوبیوں پر زیادہ زور دیا، اس زمانے کے حالات کا نتیجہ ہو۔ لیکن جس ذات پاک کو ہم سب رحمۃ للعالمین مانتے ہیں اُن کی سیرت اور مغازی کی کتابوں کو (قدما کی طرح) مترادف اور ہم معنی سمجھ لینے سے بھی اُن سے انصاف نہیں ہوتا۔ سرسید کے بیان میں (حسب معمول) غلو اور انتہا پسندی آ گئی ہے، لیکن بنیادی طور پر جو نقطۂ نظر انھوں نے اختیار کیا اور جسے شبلی نے بڑی وسعت دی، رسولِ اکرمؐ کی شخصیت

---

[۱] سرسید احمد خاں اور اُن کے نامور رفقا کی اُردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ (ڈاکٹر سید عبداللہ) ۱۳۹

[۲] ایضاً ص ۱۴۰۔۱۴۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے صحیح اندازے اور متعلقہ شہادت کے غائر مطالعہ پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔

تیسرا اہم امر جس میں ڈاکٹر سید عبداللہ کے تجربہ کے مطابق سرسید اور شبلی کے اندازِ خیال میں یک رنگی نظر آتی ہے، رسول اکرمؐ کی بشریت کا اظہار ہے۔ وہ فرماتے ہیں "شبلی سیرۃ نگاری میں اپنے پیش روؤں سے اس لحاظ سے بھی مختلف ہیں کہ پچھلے سیرۃ نگاروں کے برعکس جو نبوت اور الوہیت کو باہم خلط ملط کر دیتے ہیں۔ انھوں نے آنحضرتؐ کو ان کی جامعیتِ کبریٰ کے باوجود انسان اور بشر ہی تصوّر کیا ہے اور اسی حیثیت سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ شبلی نے آپؐ کو بشر، نبی، ایک "عقل مند" نبی تصور کیا ہے۔ اگرچہ آپؐ کی ذات روحانیت کامل اور نیز اور پاکیزگی کا ارفع اور اکمل نمونہ بھی تھی۔ بشریت اور عقلیت کا یہ رجحان دبستانِ سرسید کا مشترک رجحان ہے۔"[1]

سیرت النبیؐ میں علامہ شبلی نے نہ صرف دوسرے مسلمان سیرت نگاروں کی تحریروں سے استفادہ کیا ہے، بلکہ باوجودیکہ ان کی کتاب کا ایک بڑا مقصد مغربی معاندین کے خیالات کا رد تھا۔ انھوں نے (سرسید کی طرح) جدید مغربی کتابوں کی مفید مطلب معلومات سے بھی فائدہ اُٹھایا ہے۔ مثلاً عرب قبل از اسلام کا جو طویل باب ہے، اس میں یورپین سیاحوں اور جغرافیہ دانوں کے بیانات اور انسائیکلوپیڈیا جیسی کتابوں کے اقتباسات دے کر نفسِ مضمون واضح کیا ہے اور کہیں کہیں (خواہ وضاحت کی صورت میں یا مدافعت کے طور پر ہی سہی) یہ تاثر جھلکتا ہے۔ غرضیکہ مولانا نے یہ کتاب لکھتے وقت قدیم اور جدید تمام مواد کو پیشِ نظر رکھا ہے۔

سیرۃ النبیؐ کے سلسلے میں یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ سید احمد خاں اور امیر علی کی انفرادی کوششوں کے مقابلے میں یہ کتاب ایک لحاظ سے اجتماعی کوشش تھی۔ اس کا معیار بڑا بلند اور پیمانہ بڑا وسیع تھا۔ کام شروع کرنے وقت علامہ نے قوم سے اپیل کی تھی۔ اہلِ ثروت سے مالی امداد کے لیے، اہلِ علم سے علمی مدد کے لیے، بالخصوص مغربی کتب کے سلسلے میں۔ مالی اپیل کا

---

[1] سرسید احمد خاں اور ان کے نامور رفقا کی اُردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ (ڈاکٹر سید عبداللہ) ص ۱۴۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوصلہ افزا جواب ملا۔ اس کا تذکرہ حیاتِ شبلی میں ہے۔ بقول علامہ شبلی "مجلسِ تالیف سیرتِ نبویؐ کے لیے چندوں کے وصول کرنے کی جن مختلف تدابیر کا اعلان کیا گیا تھا۔ ایک زبیدۂ وقت کی فیاضی نے ان سب کو منسوخ کر دیا۔" جو چندے آتے ہوتے تھے، واپس کر دیے گئے۔ اہلِ علم نے حسبِ توفیق ہاتھ بٹایا۔ لیکن چونکہ دفترِ سیرت میں تین مددگاروں کے مشاہرے کا انتظام ہو گیا۔ اور علامہ کو سیّد سلیمان ندوی (مولانا) عبدالماجد دریا بادی، مولانا عبدالسلام ندوی جیسے منتخب افراد کی اعانت حاصل رہی۔ انھیں اس طرف سے اطمینان ہو گیا۔ اس کے علاوہ مشکل معاملات کی نسبت مولانا حمید الدین فراہی سے برابر خط و کتابت رہتی تھی۔ گویا سیرۃ النبی کی تالیف کے وقت مصنف ایک فردِ واحد نہ تھا بلکہ ایک ٹیم کا کپتان تھا۔ ایسا انتظام اہم مقصد کے پیشِ نظر ضروری تھا۔ لیکن مولانا کے بڑھاپے اور خرابیٔ صحت نے اسے ناگزیر بنا دیا۔ جب انھیں یہ سہولتیں میسّر ہو گئیں تو بقول سیّد شاہ علی انھوں نے "اپنے وسیع تصنیفی تجربے، ذہانت اور جوش کو اس کی تصنیف میں بڑے التزام اور سپردگی کے ساتھ صرف کیا۔" جس پیمانے پر علامہ یہ کام کر رہے تھے، اس کے متعلق مہدی حسن کو لکھتے ہیں۔ "سیرت میں نہایت تنقید اور جانفشانی سے کام لے رہا ہوں۔ اس لیے ہفتوں میں دو تین صفحے کا سامان ہاتھ آتا ہے۔"

اس اہتمام، تلاش، غور و فکر کا نتیجہ تھا کہ سیرۃ النبیؐ کے متعلق ایک ایسی کتاب حاصل ہو گئی، جس میں زیادہ سے زیادہ صحت کا التزام تھا۔ بلکہ ابتدائے اسلام کے اہم واقعات کی نسبت ہمارے اس موضوع کے سب سے بڑے عالم اور ایک محتاط نکتہ شناس، معاملات کی الجھنوں اور ان کے اونچ نیچ کو سمجھنے والے واقف کار کا نقطۂ نظر صفحۂ قرطاس پر سامنے آ گیا۔ خدا مولانا کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور بیگم بھوپال کو بھی جزائے خیر دے!

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ سیرت النبی کی چھ جلدوں میں سے آخری چار سیّد سلیمان ندوی اور پہلی دو علامہ شبلی کے قلم سے ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر سیّد شاہ علی، جن کی اردو میں سوانح نگاری بالعموم متعلقہ کتب کے ذاتی اور غائر مطالعے پر مبنی ہے۔ لکھتے ہیں "سیرت کی چھ جلدوں میں سے پہلی دو جلدیں مولانا شبلی کی لکھی ہوئی ہیں۔" لیکن دوسری جلد کے متعلق یہ بیان ترمیم طلب ہے۔ اس جلد کی تحریر میں سیّد سلیمان، مولانا شبلی کے شریک، بلکہ "مردہ بدست زندہ" کے مقابلے میں شریکِ غالب ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا شبلی کا پروگرام حیاتِ نبویؐ کے واقعات کو فقط ایک جلد میں ختم کرنے کا تھا۔ اور اگر وہ طویل اضافے جو سید سلیمان کے قلم سے (موجودہ) دوسری جلد میں ہوئے ہیں۔ نہ کیے جاتے تو اس پروگرام پر عمل پیرا ہونا ممکن تھا۔ لیکن سید صاحب کے اضافے اتنے طویل تھے کہ سوانحی حصّے کو بھی دو جلدوں میں شائع کرنا پڑا۔ سید صاحب کا فرمانا ہے کہ وہ ان ابواب کے اضافے کے متعلق متردد تھے لیکن مولانا نے وفات سے پانچ ماہ پہلے کی لکھی ہوئی ایک تحریر بہ عنوان یادداشت اخیر میں بھی ان ابواب کا "اضافہ ضروری قرار دیا تھا۔" افسوس کہ سید صاحب نے اس اہم دستاویز کو نہ سیرت کے ساتھ نہ حیاتِ شبلی یا معارف میں شائع کیا ورنہ یہ معلوم ہو جاتا کہ مولانا کے الفاظ کیا تھے۔ کیا وہ ان سب ابواب کو سوانحی جلد میں شامل کرنا چاہتے تھے۔ اور پانچ ماہ تک اس ارادے کی تکمیل کیوں نہ کر سکے؟ موجودہ صورت میں سوائے ایک مختصر باب (اوّل) کے وہ سوانحی حصّے کے لیے اشد ضروری نظر نہیں آتے۔ نئے ابواب کے علاوہ کئی باب ایسے ہیں، جن کے تحت دو ایک عنوانات مولانا شبلی کے قلم سے ہیں۔ اور متعدد عنوانات سید سلیمان نے اضافہ کیے ہیں۔ علامہ شبلی کے اپنے اندراجات میں بھی (خطوط وحدانی دے کر) سید صاحب نے کہیں مختصر اور کہیں طویل عبارتیں اس طرح اضافہ کی ہیں کہ زیادہ تر تو نفسِ مضمون کی وضاحت یا مثالوں میں اضافہ ہوتا ہے لیکن کہیں کہیں مفہوم کے Emphasis (تاکیدِ لفظی) میں بھی کمی بیشی ہوتی ہے۔ سید سلیمان ندوی نے طویل اضافے کیے ہیں۔ ان میں قدرتی طور پر ان کا مسلک اور طرزِ علمیت جھلکتا ہے۔ ڈاکٹر سید شاہ علی نے سید صاحب کی تحریر کردہ "متعدد ضخیم جلدوں" کا علامہ شبلی کے خاکے سے مقابلہ کر کے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ "ظاہری مطابقت کے باوجود حقیقت میں اس کی تعمیل و تکمیل نہیں کی گئی ہے۔ ان کے یہاں نہ وہ روشن خیالی ہے۔ نہ وہ احساسِ تناسب اور طرزِ عمل اور نہ وہ رُوح پائی جاتی ہے[1]۔"

بہ امتیاز سید صاحب کی تحریر کردہ چار جلدوں اور علامہ شبلی کی (مبینہ) دو جلدوں میں ہی نہیں، بلکہ دوسری جلد کے ان اجزا کے مابین بھی ہے جو علامہؒ نے لکھے۔ اور جو سید صاحب نے اضافہ کیے۔ علامہ شبلی کی کوشش پہلے حصّے کو، جسے وہ ایک جلد میں شائع کرنا چاہتے تھے، ٹھیٹھ سوانحی حالات اور

---

[1] اُردو میں سوانح نگاری (ڈاکٹر سید شاہ علی) [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اخلاق و معمولات تک (جو بالعموم ایک سوانح عمری کا جز شمار ہوتے ہیں) محدود رکھنے کی تھی۔ سید صاحب نے دوسرے مباحث بھی کثرت سے اضافہ کیے ہیں۔ مثلاً ایک بالکل نیا باب ہے۔ تاسیس حکومتِ الٰہی، جس کے تحت بیس عنوانات ہیں ممکن ہے علامہ نے یادداشتِ اخیر میں اس باب کی ضرورت بیان کی ہو، لیکن اس باب کے کسی عنوان کے تحت علامہ کی ایک سطر نہیں ملتی۔ خیال ہوتا ہے کہ شاید یہ سارا اضافہ سید صاحب کا ہے اور ممکن ہے، الہلال کا اثر ہو جس میں اس موضوع پر کثرت سے لکھا جاتا تھا اور جس کے عملۂ ادارت سے سید صاحب کچھ عرصہ وابستہ رہے۔ اسی طرح عباداتِ نبوی کا بالکل نیا باب ہے۔ جس کے تحت بارہ عنوانات ہیں۔ خطابت نبوی کا نیا باب اگرچہ مختصر ہے، لیکن اس موضوع کے لیے علامہ شاید ہی ایک مستقل باب ضروری سمجھتے۔

سید سلیمان کا عام رجحان معلومات میں اضافہ کا ہے۔ بلاشبہ ذاتِ مبارکؐ کی نسبت جتنی مصدقہ معلومات مہیا ہو سکیں، وہ مفید ہیں۔ لیکن علامہ شبلی کو فنی تقاضوں کا بھی خیال تھا[1]۔ ڈاکٹر سید شاہ علی نے جس "احساسِ تناسب" کا ذکر کیا ہے، وہ اہم اور غیر اہم جزئیات کے امتیاز میں ان کی رہنمائی کرتا تھا۔ کتاب کی بالکل ابتدا میں سیرت نبویؐ کی ضرورت و اہمیت بیان کرتے ہوئے جن

---

[1] اس موضوع پر علامہ کا پورا اندراج، جس میں سیرت نگاری کی بنیادی دلچسپی بے نقاب کی گئی ہے، نقل کرنے کے لائق ہے۔ فرماتے ہیں "علوم وفنون کی صف میں سیرت (بایوگرافی) کا ایک خاص درجہ ہے ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کے حالاتِ زندگی بھی حقیقت شناسی اور عبرت پذیری کے لیے دلیلِ راہ ہیں۔ چھوٹے سے چھوٹا انسان بھی کیسی عجیب خواہشیں رکھتا ہے۔ کیا کیا منصوبے باندھتا ہے۔ اپنے چھوٹے سے دائرۂ عمل میں کس طرح آگے بڑھتا ہے۔ کیونکر ترقی کے زینوں پر چڑھتا ہے۔ کہاں کہاں ٹھوکریں کھاتا ہے۔ کیا کیا مزاحمتیں اٹھاتا ہے۔ تھک کر بیٹھ جاتا ہے۔ سستاتا ہے اور پھر آگے بڑھتا ہے۔ غرض سعی و عمل، جدوجہد، ہمت و غیرت کی جو عجیب و غریب نیرنگیاں سکندرِ اعظم کے کارنامۂ زندگی میں موجود ہیں بعینہٖ یہی منظر ایک غریب مزدور کے عرصۂ حیات میں بھی نظر آتا ہے۔

اس بنا پر اگر سیرت اور سوانح کا فن، عبرت پذیری اور نتیجہ رسی کی غرض سے درکار ہے، تو ....."

(سیرت النبیؐ جلد اول صہ ۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلوؤں پر انھوں نے زور دیا ہے، وہ بالترتیب اخلاقی ("فضائل اخلاق کا ایک پیکرِ مجسم سامنے آجائے۔ جس کی ہر جنبشِ لب ہزاروں تصنیفات کا کام دے اور جس کا ایک ایک اشارہ امرِ سلطانی بن جائے") علمی اور فنی ("علوم و فنون کی صف میں سیرت (بیاگرفی) کا ایک خاص درجہ ہے ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کے حالاتِ زندگی بھی حقیقت شناسی اور عبرت پذیری کے لیے دلیلِ راہ ہیں") اور کلامی یا مذہبی تھے۔ سید سلیمان کے نزدیک اخلاقی اور مذہبی پہلو ہی تمام حقیقت تھے۔ سیرت کی فنی اہمیت (جسے شبلی نے بڑے پُر اثر طریقے سے بیان کیا۔) ان کی نظر سے بالعموم پوشیدہ رہی۔ یہ امتیاز سیرۃ النبی کی پہلی اور آخری چار جلدوں کے موازنہ سے ہی نہیں، دوسری جلد کے ان حصّوں میں، جو بالترتیب استاد اور شاگرد نے لکھے، نظر کے سامنے آجاتا ہے۔

ان ذہنی اختلافات کی بنا پر دوسری جلد، جس میں سید سلیمان کا اثر اس طرح نمایاں ہے۔ شبلی کی تصنیف شمار نہیں ہوسکتی۔ اور بہرکیف سید صاحب کا اضافہ حجم کے لحاظ ہی سے اس قدر وقیع ہے کہ دوسری جلد کو صرف مولانا شبلی کی نہیں، بلکہ مولانا اور سید سلیمان کی مشترکہ تصنیف ہی سمجھا جاسکتا ہے۔ اس میں کٹھن اور زیادہ ضروری (یعنی سوانحی) حصہ سارا علامہ کا ہے۔ لیکن کتاب کی نوعیت سمجھنے کے لیے مذکورہ بالا امتیاز پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

پہلی جلد، جس میں سید صاحب کے اثرات کم سے کم ہیں، علامہ کی اس میدان میں کوششوں کی اصل تماشاگاہ اور فی الحقیقت سیرۃ النبی کے پورے سلسلے کی جان ہے۔ اس میں وفات رسول سے دو سال پیشتر تک کے واقعات ہیں۔ گویا حیاتِ نبوی کے تمام اہم واقعات اور قریب سارے اختلافی مباحث آگئے ہیں۔ اس کے علاوہ سیرت النبی کی نسبت علامہ کے جو خیالات و عزائم تھے ان کا بیان ہے۔ شروع[1] میں دس تمہیدی صفحات کے بعد ستر صفحے کے دیباچے میں ابتدا سے سیرت (یا مغازی) کی تاریخ، اس فن کی تمام مشہور کتابوں کی نسبت ضروری معلومات، اسلامی فنِ تاریخ کے

---

[1] سیرت النبی (جلد اوّل) کے شروع میں دو مقدمے ہیں۔ مقدمہ اول "فنِ روایت" کے متعلق ہے اور ۹۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اسی میں تمہید، سیرت کی تاریخ اور متعلق کتب پر تبصرہ اور یورپین تصانیف کا ذکر ہے۔ مقدمہ دوم کا موضوع "تاریخ عرب قبل از اسلام" ہے۔ اس کے پچاس صفحات ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصُول (روائت ودرائت) اوران کی روشنی میں سیرت اور حدیث کی کتب پر تفصیلی تبصرہ، ان تمام مباحث کو اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ بقول سیّد شاہ علی "سارے اسلامی ادب میں شاید ہی اس کی مثال مل سکے"۔ اس کے بعد کوئی بیس صفحے سیرت پر یورپین تصنیفات کے لیے وقف ہیں۔ چونکہ اس موضوع پر علامہ ایک علیحدہ جلد لکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے یہ باب یورپین سیرت نگاری کی اجمالی تاریخ، زیادہ مشہور کتب کی فہرست اوران کے متعلق عمومی اور بنیادی اُمور تک محدود ہے۔ یعنی ان کا عام انداز کیا ہے؟ یورپین سیرت نگاروں کے کیا درجے اور قسمیں ہیں؟ ان کی مشترک اور عامۃ الورود غلطیاں کیا ہیں؟ ان کے وسائل معلومات کس قسم کے ہیں؟ اغلاط کے مشترک اسباب کیا ہیں؟ وغیرہ۔ تمام بحث عالمانہ مدلّل اور بڑے غوروفکر پر مبنی ہے۔ دوسرا طویل مقدمہ تاریخ عرب قبل از اسلام کے متعلق ہے اس میں عرب کے جغرافیہ وتاریخ، سلسلۂ اسماعیلی اور مکہ معظمہ اور خانہ کعبہ کے متعلق مشرقی اور مغربی مآخذ کی مدد سے سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس کے بعد (ص ۱۵۰) سے اصل کتاب شروع ہوتی ہے پہلے "تین باب خاندان، ولادت سے بعثت اور بعثت سے ہجرت تک کے واقعات پر مشتمل ہیں۔ ابتدائی عمر کی نسبت ڈاکٹر سیّد شاہ علی نے بعض اہم اُمور کے "تشنۂ ذکر" کی شکایت کی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ علامہ شبلی نے بعض رائج روایات کو بھی ترک کر دیا (مثلاً بحیرہ راہب کی نسبت اوراس طرح کے بعض اُمور کے متعلق جو مزید مواد مل سکتا تھا، اسے بھی تلاش نہ کیا۔ "شغل تجارت" کے متعلق دلچسپ اور پُر از معلومات اندراج بھی سیّد سلیمان نے اضافہ کیا تھا) علامہ کے اس طریق کار کے محرکات ایک حد تک "متکلمانہ" تھے۔ جن "بیرونی اثرات" کی نسبت ڈاکٹر سید شاہ علی کا "مزید معلومات حاصل کرنے کو جی چاہتا ہے"۔ انہی میں یورپین سیرت نگار اسلام کے مآخذ ڈھونڈتے تھے اس لیے علامہ نے ان معاملات میں خاص احتیاط سے کام لیا) لیکن واقعہ یہ ہے کہ شاذونادر ہی کسی عظیم شخصیت کے ابتدائی ایام کے متعلق خاطر خواہ مواد ملتا ہے۔ کیونکہ خوردسالی میں اندازہ لگانا کہ کونسی ہستی عظمت و اہمیت کے مرتبہ کو پہنچے گی۔ اور اس کے روزمرہ کے حالات کو محفوظ کرنا عام امکانات سے نہیں۔ بعثت کے بعد مصدقہ واقعات زیادہ ملتے ہیں اور ہجرت کے بعد تو علامہ نے سال بسال کے جُداگانہ حالات تفصیل سے دیئے ہیں۔ سیرت النبی جلد اول میں نویں سال ہجری تک یعنی رحلت نبوی [illegible] کے واقعات [illegible] آخری باب میں غزوات نبوی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر (جن کی تفصیلات اس سے پہلے آچکی ہیں) ایک سیر حاصل تبصرہ ہے اور عام فاتحین کی جنگوں سے ان کا امتیاز دکھایا ہے ۔

سیرۃ النبیؐ کی پہلی جلد علامہ شبلی کی وفات کے تین ساڑھے تین سال بعد شائع ہوئی۔ اس میں سید سلیمان کے اضافے بہت تھوڑے ہیں ۔ انھیں خطوط وحدانی کے اندر درج کیا گیا ہے تاکہ مصنف کی عبارت سے علیحدہ رہیں۔ سید صاحب کا فرمانا ہے کہ انھوں نے اس امر کی بڑی احتیاط کی ہے کہ کتاب مصنف کی تحریر کے مطابق شائع ہو، لیکن ایک آدھ جگہ سہو کا ہو جانا خارج از امکان نہیں ۔ مثلاً ہجری سالِ اوّل کے تحت فہرست میں ایک عنوان ہے "اذان کی ابتدا اور رکعاتِ نماز"، لیکن صفحۂ متعلقہ (۲۶۳) پر یہ عنوان اس طرح ہے "اذان کی ابتدا" اور اندراج میں بھی رکعاتِ نماز کا ذکر نہیں۔ ممکن ہے شروع میں مصنف نے یہاں "رکعاتِ نماز" کے متعلق کچھ لکھا ہو، جسے اس نے (یا مرتب نے) بعد کے متعلقہ اندراجات میں شامل کر لیا ۔ یا فہرست کے اندراج کے بعد رائے بدل گئی ہو۔ بظاہر فہرست کے اندراج اور متعلقہ عبارت میں تضاد معلوم ہوتا ہے ۔ اتنی ضخیم کتاب میں ایک آدھ اس طرح کا سہو ہو جانا غیر ممکن نہیں[1] لیکن بظاہر سید صاحب نے پہلی جلد کی تدوین میں بڑی احتیاط کی ہے اور سوائے چند محدود اندراجات کے اسے علامہ شبلی کی تصنیف سمجھنا چاہیے۔ دوسری جلد کی نسبت ہم

---

[1] تھوڑی سی الجھن واقعہ معراج کے متعلق ہے۔ علامہ شبلی جلد اوّل کی ابتدا میں لکھتے ہیں: "چوتھے حصے میں معجزات کی تفصیل ہے البتہ جن معجزات کی تاریخ اور سن متعین ہے ۔ مثلاً معراج تکثیر طعام وغیرہ۔ ان کو اس سن کے واقعات میں لکھ دیا ہے" (جلد اوّل ص ۹۷) ۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ معراج کا بیان سال متعلقہ کے ضمن میں درج ہوگا لیکن وہاں اس کی نسبت فقط ایک سطر ہے اور سنہ نبوی کے ایک واقعہ کی تفصیل دے کر لکھا ہے "اسی زمانے میں معراج واقع ہوئی، جس کی تفصیل تیسرے حصے میں آئے گی" (جلد اوّل ص ۲۲۹) چونکہ علامہ شبلی چوتھے حصے میں معجزات کا ذکر کرنا چاہتے تھے ۔ اس لیے "چوتھے" حصے کی بجائے "تیسرے" کا اندراج بظاہر سید صاحب کا ہے ۔ یہ بھی ناممکن نہیں کہ یا تو معراج کو سال متعلقہ کے ضمن میں لکھنے کا خیال خود مصنف نے ترک کر دیا ہو۔ یا کوئی اور وجہ ہو (بظاہر اس پیراگراف میں لکھنے سے علامہ کا مفہوم فقط اشارہ کر دینا نہیں) بہر حال علامہ کا اصل مسودہ دیکھنے [illegible]

© rasailojaraid.com

بتا چکے ہیں کہ وہ علامہ شبلی اور سید سلیمان کی مشترک تالیف ہے۔ اس میں حیاتِ نبوی کے آخری دو سالوں کے واقعات اور عمومی ابواب ہیں۔ شروع میں "قیامِ امن" کے ایک مختصر باب کے بعد جو سید صاحب نے لکھا، "اشاعتِ اسلام" اور "وفودِ عرب" کے ابواب ہیں۔ پھر "تاسیس حکومتِ الٰہی" کا طویل بیان ہے، جو تمام کا تمام سید سلیمان کے قلم سے ہے۔ اس کے بعد مذہبی انتظامات تکمیل شریعت، عقاید، عبادات، معاملات اور حلال و حرام کا ذکر ہے، جن میں سید صاحب کا خاصہ حصہ ہے۔ پھر سالِ اخیر (دہم ہجری)، سالِ وفات، متروکات اور شمائلِ نبوی کا بیان ہے، جو تقریباً سارے کے سارے شبلی کے قلم سے ہیں۔ خطابتِ نبوی اور عبادتِ نبوی کے ابواب کاملاً اور معمولات اور مجالسِ نبوی کے بہت حد تک سید صاحب کے ہیں۔ اخلاقِ نبوی کا طویل باب مشترک ہے۔ تین آخری باب "ازواجِ مطہرات" اور اولاد کے متعلق ہیں، تمام کے تمام علامہ شبلی کے ہیں۔

علامہ شبلی کے اپنے مسودوں کے دیکھے بغیر سید سلیمان کے اضافوں کے متعلق یہ کہنا مشکل ہے کہ کیا ان میں علامہ شبلی کے خیالات کی پیروی کی گئی ہے؟ مثلاً جلد دوم میں حلال و حرام کے باب میں "سود کی حرمت" کا ایک اندراج ہے، جو تمام کا تمام سید صاحب کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں خیالاتِ جمہور کی پوری طرح پیروی کی گئی ہے۔ لیکن سید صاحب خود سیرۃ النبی کی اشاعت سے پہلے مکاتیبِ شبلی حصہ دوم کے ایک فٹ نوٹ میں لکھ چکے تھے "مولانا مرحوم نے فقہ حنفی کی رو سے ہندوستان کے دار الحرب اور منافع بنک کے سود نہ ہونے پر ایک پورا رسالہ لکھا ہے، جو عنقریب طبع ہوگا۔"[1] جہاں تک راقم السطور کو علم ہے یہ رسالہ کبھی طبع نہیں ہوا لیکن اس فٹ نوٹ سے ہی مولانا شبلی کا نقطۂ نظر ظاہر ہے۔ اور یہ امر قرینِ قیاس نہیں کہ اگر سیرت النبی میں اس موضوع پر اندراج علامہ کے قلم سے ہوتا تو اس میں ان کے خیالات کی جھلک نہ ہوتی۔ اسی طرح احادیث کا مسئلہ ہے۔ سید صاحب مولانا اشرف علی کی بیعت سے پہلے اہلِ حدیث تھے۔ مولانا شبلی کو حنفیت میں اتنا غلو تھا کہ اپنا لقب ہی امام اعظم کے مورث نعمان کے نام پر

---

[1] ملاحظہ ہو مکاتیب ... جلد دوم ص ... [illegible] ... مولانا شبلی کی رائے تھی۔ اور ان کے رسالے کے متعلق سید سلیمان کا حاشیہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نعمانی اختیار کیا۔ پھر جب اُن کا مطالعہ زیادہ وسیع ہوا تو اُن کے غلو میں کمی ہوگئی۔ لیکن اب ان پر امام اعظم کے طریقِ کار کی مصلحتیں بھی روشن ہوئیں۔ اس احساس کا واضح ترین اظہار سیرت النعمان میں ہے لیکن سیرۃ النبیؐ میں بھی ان کا اندازِ فکر ایک حنفی کا ہے۔ انھوں نے رسُولِ کریمؐ کے واقعاتِ زندگی کے متعلق مغازی (سیرت) کی روایات پر مصدقہ احادیث کو واضح طور پر ترجیح دی۔ لیکن احادیث کے مجموعوں (حتٰے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم) کے اندراجات کو بھی روایت (تاریخی اصولوں) اور درایت (یعنی عقل) کی کسوٹی پر پرکھنے کی ضرورت کو بھی بڑی تفصیل اور بڑے مؤثر طریقے سے بیان کیا۔ اور امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی بیان کردہ بعض روایات کو قبول کرنے سے گریز کیا۔ اس کے علاوہ وہ غیر ضروری طور پر کتبِ احادیث سے روایات بھی نہیں لیتے تھے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ حیاتِ نبوی سے متعلق تمام واقعات وغیرہ کو ایک ہی جلد میں لانا چاہتے تھے۔ دوسرے سیرت نبوی میں بھی وہ سب سے زیادہ اہمیت ان واقعات کو دیتے تھے، جن کی توثیق کلام مجید سے ہوتی تھی۔ سیدصاحب نے بھی پہلی جلد میں قریب قریب کاملاً اور دوسری میں بڑی حد تک مصنف کے بیان کردہ اصولوں کو نباہنے کی کوشش کی۔ لیکن پھر بھی طبیعت ہمسلک اور فنی معیار کا لطیف امتیاز نظر آہی جاتا ہے۔ تیسری جلد معجزات کے متعلق ہے اور تمام کی تمام سید سلیمان کی لکھی ہوئی ہے۔ اس کی پہلی اشاعت اور موجودہ صورت میں جو فرق ہے، وہ بھی علمی تاریخ کا ایک دلچسپ باب ہے لیکن ہماری کتاب کے موضوع سے خارج ہے۔

علامہ شبلی کا ارادہ تھا کہ ایک علیحدہ جلد یورپین تصنیفات کے متعلق لکھیں "یعنی یورپ نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مذہب اسلام کے متعلق کیا لکھا ہے؟ ان کا سرمایۂ معلومات کیا ہے؟ تاریخی واقعات ہیں وہ کیونکر غلطیاں کرتے ہیں۔ مسائلِ اسلام کے سمجھنے میں ان سے کیا غلطیاں ہوئیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات یا مسائلِ اسلام پر جو نکتہ چینیاں کی ہیں، ان کے جوابات" سید صاحب نے پروگرام کا یہ حصّہ پورا نہیں کیا۔ فقط پہلی جلد کے حواشی میں علامہ نے یورپین مصنفین کے متعلق جو جا بجا ریمارکس دیے تھے۔ انھیں برقرار رکھا کہیں کہیں اضافہ کیا۔ اس موضوع پر علیحدہ جلد نہیں لکھی۔ بعض حلقوں میں اس پر سختی سے اعتراض کیا گیا ہے مثلاً مولانا سعید انصاری سابق رفیق دارالمصنفین (ادیب علی گڑھ کے شبلی نمبر میں لکھتے ہیں:-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیرت میں یورپ کے معترضین کے جوابات کا بھی مولانا نے مستقل حصہ رکھا تھا۔ اس پہ اتنا مواد جمع ہے کہ دو جلدوں میں نکل سکتا ہے لیکن وہ غفلت کی نذر ہو گیا۔ اور سید صاحب اس کو بلا ترتیب چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ (ص ۴۳-۴۴)

ہمیں اس سے اتفاق نہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ یورپین تصنیفات والی جلد کا نہ لکھا جانا سید صاحب کی "غفلت" کی وجہ سے نہ تھا۔ وہ غالباً اصولاً اس کے خلاف تھے۔ انھوں نے الکلام کے شروع میں تنبیہ کے عنوان سے جو طویل تمہید ستمبر ۱۹۳۶ء میں اضافہ کی تھی اس میں انھوں نے یہ امر واضح کر دیا تھا کہ وہ علامہ شبلی کے اس طریق کار سے اختلاف رکھتے تھے کہ بعض متکلمین کی طرح منکرین و معترضین کے اعتراضات نقل کر کے ان کے جوابات لکھے جائیں۔ وہ فرماتے ہیں "ذاتی طور سے میں بھی اس کو ناپسند کرتا ہوں"۔ اس معاملے میں راقم السطور بڑی حد تک ان کا ہم خیال ہے۔ بلاشبہ ذمہ دار اور پختہ کار اہلِ علم کے لیے مناسب ہے کہ اسلام، بانیِ اسلام اور مسلمین کی نسبت غیر مسلم جو کچھ لکھ رہے ہیں، اس سے خبردار رہیں جن امور کی تردید ضروری ہے، ان کا رد بھی کیا جائے۔ (اس کی ضرورت مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، سید احمد خان، علامہ شبلی کے زمانے میں آج کی نسبت بہت زیادہ تھی) بلکہ موجودہ مسلمانوں کی اخلاقی معاشرتی کمزوریوں کی نسبت اگر کوئی غیر مسلم اہل علم نیک نیتی سے ایسے حقائق بیان کرے جن سے اصلاح طلب پہلوؤں کا بہتر احساس ہو، تو اس سے بھی فائدہ اٹھانا چاہیے لیکن اسلام بالخصوص رسالت مآب کی نسبت یورپین مصنفین کی تحریریں بالعموم اس طرح ناواقفیت پر مبنی اور اس ہمدردی سے جس کے بغیر دوسری سوسائٹی کا طریق کار سمجھا ہی نہیں جا سکتا، بلکہ کئی دفعہ تو نیک نیتی سے اس طرح عاری ہوتی ہیں کہ ان کے اعتراضات کو ایک جلد میں جمع کر کے مسلمانوں میں انھیں عام کرنا اور ان کے جوابات دینے کی کوشش کرنا ایک مشتبہ فائدے کی خاطر بڑے خطرات کو مول لینا ہے۔ اس کے علاوہ ان معترضین سے عہدہ برآ ہونے کے لیے علامہ شبلی کا دماغ، مطالعہ، غور و فکر درکار تھا۔ سید صاحب کے لیے یہی امر انسب تھا کہ وہ پروگرام کے اس حصے کو نظر انداز کر دیں۔ (اور غالباً انھوں نے عمداً ایسا کیا)

دار المصنفین کی طرف سے پروگرام کے جس حصے سے بے توجہی خاص طور پر افسوسناک ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ سیرۃ النبیؐ کے انگریزی اور عربی ترجمے ہیں۔ علامہ شبلی نے جب الندوہ (جنوری ۱۹۱۲ء) میں سیرت کی سکیم شائع کی اور قوم سے چندہ کے لیے اپیل تو انھوں نے بڑے زور سے لکھا تھا۔ "اور چونکہ محض اُردو ایڈیشن بے کار ہے جب تک انگریزی اور عربی میں شائع نہ ہو۔ سیرت نبویؐ[۲] کی اشاعت کی ضرورت سب سے زیادہ یورپ میں ہے کہ یورپ کے خیالات کی اصلاح ہو۔ اس لیے کتاب[ب] کی تصنیف کے ساتھ اس بات کی ضرورت ہے کہ اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا جائے[1]" چونکہ علامہ شبلی ڈیڑھ جلد سے زیادہ نہیں لکھ سکے۔ اور فی الحقیقت پہلی دو جلدیں ہی کتاب کی جان ہیں۔ اصل ضرورت ان کے ترجمے کی ہے۔ یورپ کے سیاسی اثر کی کمی کی وجہ سے انگریزی ترجمے کی اب وہ اہمیت نہیں رہی، جو علامہ کے زمانے میں تھی۔ لیکن عربی ترجمے کی اشد ضرورت ہے تمام اسلامی ممالک میں ذاتِ نبویؐ سے دلچسپی برقرار ہے اور مغربی خیالات کی اشاعت کی وجہ سے وہاں بھی سیرت نبویؐ کو نئے انداز سے لکھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں وہاں کوششیں بھی ہوئی ہیں۔ لیکن علامہ شبلی ہر جگہ کہاں؟ اس کے علاوہ اسلامی ہندوستان کو انگریز فاتحین کے ساتھ مسیحی مشنریوں اور مصنفین کا دوسرے اسلامی ممالک کی نسبت بہت پہلے مقابلہ کرنا پڑا ہے۔ جس جگہ علامہ شبلی نے شہسواری کی ہے، وہاں سید احمد خاں اور سید امیر علی بھی گھوڑے دوڑا کر میدان کو ایک حد تک ہموار کر چکے تھے۔ بقول مرشد رومؒ ؎

عطار روح بود و سنائی دو چشم او | ما از پسِ سنائی و عطار آمدیم

شبلی کی سیرت النبیؐ ایک طویل تحریک کا منتہائے عروج ہے۔ ہمارے لیے ایک نادر موقع تھا کہ اس کی پہلی دو جلدوں کو (جو اصل سیرت اور اس سلسلۂ کتب کا جاندار حصہ ہیں) عربی لباس پہنا کر دنیائے اسلام کے اہلِ علم کو پیش کریں اور ایک اہم مسئلہ میں ان کا ہاتھ بٹائیں۔ افسوس کہ ایسا نہیں ہوا اور اب یہ حال ہے کہ جب مصر میں ہیکل پاشا نے انہی جذبات سے متاثر ہو کر، جن سے شبلی سرشار تھے۔ ۱۹۳۲ء میں بڑے اہتمام کے ساتھ حیاتِ نبویؐ پر، اپنی مشہور کتاب لکھی (تفصیل آگے آئے گی) اور سید امیر علی کی کتاب کے عربی ترجمہ (روح الاسلام) کو سیرت ابنِ ہشام، طبقات ابنِ سعد

---

[1] مقالاتِ شبلی جلد ہشتم ص ۱۴۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مغازی کے ساتھ ساتھ ان "اساطین اربعہ" میں سے شمار کیا جنھیں انھوں نے "مکرر حرفاً حرفاً" پڑھا تو وہ سیرت النبی کے وجود سے ہی بے خبر تھے!

علامہ شبلی کا پروگرام تھا کہ سوانحی حصے کے بعد اگلا حصہ منصب نبوت کے عنوان سے لکھیں۔ "اس حصہ میں فرائض خمسہ اور تمام اوامر و نہی کی ابتدا اور تدریجی تغیرات کی مفصل تاریخ اور ان کے مصالح اور حکم اور دیگر مذاہب سے ان کا مقابلہ و موازنہ ہے۔ اسی حصہ میں نہایت تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ عرب کے عقاید اور اخلاق و عادات پہلے کیا تھے۔ اور ان میں کیا کیا اصلاحیں عمل میں آئیں۔ نیز یہ کہ تمام عالم کی اصلاح کے لیے اسلام نے کیا قانون مرتب کیا اور کیونکر وہ عالم کے لیے اور ہر زمانہ کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔" اس تفصیل سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس حصے کے متعلق علامہ کے عزائم کتنے بلند تھے۔ انھوں نے یہ حصہ لکھنا شروع بھی کر دیا تھا۔ (جس سے خیال ہوتا ہے کہ وہ اپنے لکھے ہوئے سوانحی حصے کو قریب قریب مکمل سمجھتے تھے) لیکن وہ "عرب جاہلیت کے مذہبی و اخلاقی حالات کے پچیس تیس صفحے لکھنے پائے تھے کہ وفات پائی۔" سید صاحب نے ان صفحات کو چوتھی جلد میں شامل کر لیا لیکن ان میں اس طرح ترمیم و اضافہ ہوا کہ انھیں علامہ سے منسوب کرنا احتیاط کے خلاف سمجھا گیا[1]۔ اس کے علاوہ سید صاحب نے اس جلد کے متعلق علامہ کی ساری سکیم بدل دی۔ فرائض خمسہ کے مباحث کو پھیلا کر ایک علیحدہ جلد (پنجم) کا موضوع بنایا گیا لیکن جو باتیں علامہ شبلی کی سکیم میں "منصب نبوت" کی جان تھیں اور جن کی وجہ سے وہ اس حصے کو معجزات کی جلد سے پہلے لانا چاہتے تھے یعنی اسلام کی بدولت عرب کی کایا پلٹ اور تمام دنیا کے لیے اسلام کا پیغام، ان کا ذکر نہ ہونے کے برابر ہے۔ چند صفحات ظہور نبوی کے وقت دنیا بالخصوص عرب کی حالت کے متعلق ہیں (اور غالباً یہ وہ پچیس تیس صفحے ہیں جو علامہ نے لکھے تھے اور سید صاحب نے ترمیم کے ساتھ پیش کیے۔ باقی کتاب کو اس موضوع سے کوئی تعلق نہیں۔ اور فی الحقیقت یہ جلد اسلامی عقاید کے متعلق ہے، جس میں چالیس صفحے بلکہ زیادہ برزخ کے لیے وقف ہیں۔ یہ جلد علامہ شبلی کی تجویز کے مطابق نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ پہلی ڈیڑھ جلد کے علاوہ جو کچھ لکھا گیا،

---

[1] سیرۃ النبی جلد چہارم ص ۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ علامہ شبلی کے خیالات نہیں، سیّد صاحب کے نقطۂ نظر کی ترجمانی ہے۔ جہاں تک شبلی کے سوانح نگار کا تعلق ہے، سیرت النبی پہلی دو جلدوں میں ختم ہو جاتی ہے۔

سیرت النبی کی نسبت علامہ شبلی نے ملنشی محمدؐ امین زبیری کو ایک خط میں لکھا تھا: "اگر مر نہ گیا۔ اور ایک آنکھ بھی سلامت رہی تو انشاء اللہ دنیا کو ایسی کتاب دے جاؤں گا جس کی توقع کئی برس تک نہیں ہو سکتی۔" انھیں موت نے تکمیلِ کار کی مہلت نہ دی۔ لیکن پھر بھی حیاتِ نبوی کی پہلی ڈیڑھ جلد انھوں نے جس محنت، دقتِ نظر، وسیع علمیت، غور و فکر، حُسنِ استدلال اور ادبی شان کے ساتھ لکھی ہے۔ اس کی مثال عالمِ اسلامی کے ادب میں مشکل سے ملے گی۔ علامہ کی علمی عظمت اور طریقِ کار کا کچھ اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ سیرۃ النبی کی پہلی دو جلدوں کا مقابلہ ہیکل پاشا کی حیاتِ محمدؐ سے کریں جو اسی موضوع پر ایک خاصی مبسوط کتاب ہے۔ ہیکل پاشا مصر کے اکابر علما میں سے تھا۔ ایک زمانہ میں وزیرِ تعلیم بھی رہا۔ یہ کتاب اس کا شاہکار ہے۔ اور اگرچہ اس کی تحریر ایک انفرادی کوشش تھی، لیکن جیسا کہ دیباچے سے ظاہر ہے، مصر کے مشاہیر علما کی اعانت اسے حاصل تھی۔ کتاب بڑی محنت، انہماک اور اہتمام کے ساتھ لکھی گئی۔ اور عرب ممالک میں بجا طور پر مقبول ہے۔ اس کا سیرۃ النبیؐ سے موازنہ غیر موزوں نہیں لیکن ایک سرسری نظر ہی میں علامہ کی علمی فضیلت اور طریقِ کار کی افادیت ظاہر ہو جاتی ہے۔ مثلاً: (۱) ہیکل پاشا کا ایک بڑا مقصد بھی مغربی سیرت نگاروں کا جواب دینا یا ان کے اعتراضات سے بچنا تھا۔ لیکن اس معاملے میں اس کی معلومات نہایت محدود ہیں۔ (حتّےٰ کہ مارگولیتھ کی شر انگیزیوں کا بھی اسے علم نہ تھا) ۔ مولانا نے انگریزی داں اسٹاف اور دوسرے معاونین کی مدد سے فریقِ مخالف کی کارگزاریوں سے پوری واقفیت حاصل کر لی تھی۔ (۲) یورپین مستشرقین کا ایک وقیع جواب لکھنے کے لیے ضروری تھا کہ کتاب میں عالمانہ طریقِ کار اختیار کیا جائے۔ لیکن ہیکل پاشا کی کتاب میں تائیدی حوالے نہ ہونے کے برابر ہیں۔ (۳) دونوں کتابوں کے بنیادی مآخذ کے موازنہ سے ہی ان کا فرقِ مراتب ظاہر ہو جاتا ہے۔ ہیکل پاشا نے سیرت ابنِ ہشام، طبقات ابنِ سعد، مغازی محمد الواقدی اور روح الاسلام سیّد امیر علی کو دلیلِ راہ بنایا تھا۔ ان میں سے واقدی کی قصہ آفرینیاں سیّد احمد خاں نے ہی خطباتِ احمدیہ میں پوری طرح بے نقاب کر دی تھیں۔ اور اس وقت سے وہ ہندوستان میں قابلِ اعتماد ماخذ نہ سمجھا جاتا تھا۔ علامہ شبلی نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سپرٹ آف اسلام کی ابتدائی صورت Life and Teachings of Mohammed کا اردو ترجمہ تنقید الکلام فی اصول شارع الاسلام جو ۱۸۸۵ء میں ہی شائع ہو گیا تھا، ضرور دیکھا ہوگا اور اس کے نقطۂ نظر سے مستفید ہوئے ہوں گے، لیکن ایک جدید الرقم کتاب کو بنیادی اہمیت دینا وہ (بجا طور پر) اپنی کتاب کی علمی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔ ان کے بنیادی مآخذ (کتبِ حدیث کے علاوہ) سیرت ابن ہشام، طبقات ابن سعد اور طبری کی تاریخ کامل تھے۔ واقدی کی انھوں نے جابجا مذمت کی ہے[1]۔

لیکن علامہ شبلی اور ہیکل پاشا کے طریقِ کار اور علمی مراتب کا اصل اندازہ احادیث کے متعلق ان کے نقطۂ نظر سے ہوتا ہے۔ موخر الذکر ان احادیث و روایات سے جنھیں مغربی مستشرقین نے رسول اکرمؐ کی زندگی پر اعتراضات کی بنیاد بنایا، اس قدر برہم تھے کہ انھوں نے کئی صفحات میں علم حدیث کی تاریخ دے کر اور "صدرِ اوّل میں عدمِ جمع و حدیث"، "وضع حدیث کے محرکات"، "مناقبِ رسول صلعم میں حدیث سازی کا جذبہ" جیسے عنوانات دے کر ایسے خیالات کا اظہار کیا کہ کتاب کے اردو مترجم نے جو پُر جوش اہلِ حدیث تھے اور ویسے بھی ترجمہ و تالیف کے آداب و آئین سے بے نیاز تھے، کئی صفحات[2] کے فٹ نوٹ لکھ کر مصنف کی تردید کی! کتبِ احادیث کے جن اندراجات سے (مثلاً "غرانیق" کے متعلق) ہیکل پاشا کو اختلاف ہے، علامہ شبلی کا بھی بالعموم ان کی نسبت وہی نقطۂ نظر ہے لیکن انھوں نے احادیث کے متعلق زیادہ محتاط اور زیادہ علمی طریقِ کار اختیار کیا ہے۔ ایک تو انھوں نے علمائے کبار کے حوالے سے کر یہ بات واضح کر دی ہے کہ سیرت (مغازی) کی روایات میں احتیاط روا نہیں رکھی جاتی تھی، جو ذمہ دار محدثین جمع حدیث میں کرتے تھے۔ اور اس بنا پر کتبِ حدیث سے بھی سیرت مرتب کرنے میں مدد لی ہے لیکن انھیں اختیار کرتے وقت انھوں نے روایت اور درایت کے اصولوں کو پوری طرح استعمال کیا ہے، جن کی نظری ضرورت تو سب ذمہ دار محدثین مانتے تھے لیکن جو عملی طور پر بسا اوقات نظر انداز ہو جاتے تھے۔ سیرۃ النبی میں (اور دوسری جگہ بھی) احادیث کی نسبت علامہ شبلی نے وہی محتاط طریق کار اختیار کیا ہے، جو سیرۃ النعمان میں انھوں نے امام اعظم سے منسوب کیا تھا۔ اس لیے مستشرقین کا جواب دیتے وقت بھی وہ سوادِ اعظم سے الگ نہیں ہوئے۔

---

[1] ملاحظہ ہو حیات محمد صلعم (محمد حسین ہیکل پاشا کا اردو ترجمہ [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علمی، دینی اور کلامی حیثیت سے سیرۃ النبیؐ (جلد اول و دوم) کو ہیکل پاشا کی کتاب پر اس حد تک فوقیت حاصل ہے کہ دونوں کتابوں کو ایک ہی درجے میں پہلو بہ پہلو نہیں رکھا جا سکتا، لیکن بطور ایک انفرادی کوشش کے حیاتِ محمدؐ کا پایہ بھی بلند ہے اور مصنف نے یہ کتاب عشقِ محمدیؐ میں سرشار ہو کر لکھی ہے۔ اس کے ناقص اُردو ترجمہ میں بھی ایک خاص قسم کی جاذبیت ہے۔ سیرۃ النبیؐ میں کلامی پہلو کسی قدر زیادہ نمایاں ہو گیا ہے۔ مستشرقین کے جواب کے لیے علامہ نے ایک علیحدہ جلد وقف کی تھی لیکن سوانحی حصّہ لکھتے وقت بھی مستشرقین اور معترضین ان کے ذہن سے غائب نہیں ہوتے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ کتاب آزادانہ اور دل کھول کر نہیں لکھی۔ سیّد سلیمان ان کی ناتمام سیرت (جو قیامِ حیدرآباد میں غزوۂ خندق تک لکھی گئی، اور جس کا مسودہ اب تک دار المصنفین کے کتب خانے میں موجود ہے[1]) اور سیرت النبیؐ کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "کہ پہلی کتاب صرف دماغ سے اور دوسری دل سے لکھی گئی ہے" (حیاتِ شبلی ص ۷۰۳) جب تک حیدرآباد والی ناتمام سیرت شائع نہ ہو، اس کے متعلق کچھ کہنا مشکل ہے۔ لیکن سیرۃ النبی کے متعلق یہ بیان کہ یہ فقط دل سے لکھی گئی، بحث طلب ہے۔ اس میں دل اور دماغ دونوں کی کارفرمائی ہے، بلکہ کہیں کہیں دماغ کی مداخلت زیادہ بڑھتی نظر آتی ہے۔ فی الحقیقت جس مقصد کو ملحوظ رکھ کر یہ کتاب لکھی گئی (یعنی ارکونتیخ اور دوسرے معترضین کا جواب) اس کے پیشِ نظر یہ طریق کار ناگزیر تھا۔ سیرۃ النبی کی تالیف کا مقصدِ اولی متکلمانہ تھا اور اس کی اصل خوبیاں علمی، دینی، کلامی، تحقیقی (اور ادیبانہ) ہیں۔ اور وہ اسے کتبِ سیرت کی معزز اور مقدس صفوں میں سب سے اگلی قطار میں لے آتی ہیں۔ بلکہ اپنی محدود واقفیت کے باوجود ہم اختر وقارِ عظیم کے ساتھ یہ کہنے کے لیے تیار ہیں کہ "آج تک سیرت النبی سے زیادہ محققانہ، عمدہ اور جامع المعلومات کتاب رسولِ کریمؐ پر نہیں لکھی گئی ہے"[2]

---

[1] حیاتِ شبلی ص ۷۰۔ لیکن جب سفرِ اعظم گڑھ (مئی ۱۹۷۰ء) کے دوران میں راقم السطور نے استفسار کیا تو اس مسودہ کے وجود کا انکار کیا گیا۔ ممکن ہے زیادہ تلاش سے دستیاب ہو جائے۔

[2] شبلی بحیثیت مؤرخ از اختر وقار عظیم ص ۱۲۹)

© rasailojaraid.com